فُغَانِ دَرُوں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہو گی آہ میری ، نفس میرا شعلہ بار ہو گا!!

صحبت رنگ لاتی ہے

میں رجوعہ موڑ پر بس کے انتظار میں کھڑا ہوا تھا۔آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ہلکی ہلکی بوندا باندی کا سلسلہ جاری تھا۔جس کی رفتار میں بتدریج اضافہ ہوتا جارہا تھا۔اب کپڑے بھی بھیگنے لگے تھے۔بارش کے قطرات زور سے چہرے کے ساتھ ٹکراتے اور پھسلتے ہوئے نیچے کی طرف بہنے لگتے۔جس طرح بچپن میں دیکھا کرتے تھے کہ گلیوں بازاروں میں گھومنے پھرنے والے لڑکے غلیل میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں رکھ کر چڑیوں اور فاختاؤں کا نشانہ باندھ کر کنکریوں کی بوچھاڑ کردیا کرتے تھے۔ہو بہو بادل کی ٹکڑیاں بھی آج غلیلچی بنی ہوئی یہی منظر پیش کررہی تھیں۔میں سڑک پار کر کے دوسری جانب بنی ہوئی دوکان کے چھجے کے نیچے پناہ لینے کا ارادہ کرہی رہا تھا کہ اچانک چنیوٹ سے آنے والی بس قریب آکر رکی۔سواریوں کے اترتے ہی میں دروازے کے ساتھ لگے ہوئے ہینڈل کو تھام کر جلدی سے بس میں سوار ہوگیا۔دروازے کے ساتھ ہی ملحق اکلوتی سیٹ پر ایک تیرہ چودہ سالہ کم سن لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔اس پر اچٹتی سی نظر ڈالتے ہوئے میں آگے بڑھ کر دوسری جانب ایک خالی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔بس نے ابھی رفتار پکڑی ہی تھی کہ ڈرائیور کی سیٹ کے ساتھ بنے ہوئے ٹاپے پر بیٹھی ہوئی ایک بوڑھی مائی کی آواز نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کروادی۔وہ اسی کم سن لڑکے سے سوال کررہی تھی۔قریب بیٹھی ہوئی اکثر سواریاں بھی ان باتوں میں دلچسپی لے رہی تھیں اور تجسس بھری نگاہوں سے بچے کو دیکھ رہی تھیں۔بچے کے ہاتھ میں ایک مہنگا سا کیمرے والا موبائل فون تھا۔اس کے کانوں میں ہینڈ فری لگا ہوا تھا۔وہ مستی کے عالم میں دھیرے دھیرے سرہلا رہا تھا۔شاید کسی گانے کے بول اس پر نشہ طاری کئے ہوئے تھے۔اس کے ایک ہاتھ میں اعلیٰ برانڈ (Brand) کا سگریٹ تھا۔تھوڑی دیر بعد وہ بڑے اسٹائل سے سگریٹ کا کش لگاتا اور منہ بند کر کے ناک سے دھواں چھوڑتا۔اس کے قریب ہی سفری بیگ رکھا ہوا نظر آرہا تھا۔بوڑھی اماں کے سوال پر وہ بے نیازی کے انداز سے بتا رہا تھا کہ میں سرگودہا سے آرہا ہوں۔اب فیصل آباد سے ہوکر ملتان جاؤں گا۔وہاں میرا چھوٹا بھائی کام کرتا ہے۔اس کے ساتھ وہاں کوئی مسئلہ بن گیا ہے۔میں اس کی ہیلپ کے لئے جارہا ہوں۔بوڑھی اماں نے پوچھا: تیرا بھائی وہاں کیا کرتا ہے؟ کہنے لگا کہ وہ ڈرائیور

ہے۔اس بے تکے سے جواب پر سواریاں کھلکھلا کر ہنسنے لگیں۔ پھر وہ کھسیانا سا ہو کر خود ہی وضاحت کرنے لگا کہ میں دیکھنے میں چھوٹا نظر آتا ہوں لیکن میرے چھوٹے بھائی کا قد لمبا ہے۔وہ پورا جوان نظر آتا ہے۔مائی نے کہا: تیرے پاس کرائے کے پیسے ہیں؟ وہ جیب سے سگریٹ کی ڈبیا نکال کر کہنے لگا: اس ڈبیا کے اوپر لکھی ہوئی تحریر پڑھیئے! یہ درآمد شدہ ہے اور اگر میں نے اپنے موبائل کی قیمت بتائی تو آپ حیران رہ جائیں گی۔ بار بار کے سوالوں سے اکتا کر وہ سر پر ہاتھ مار کر کہنے لگا: اماں جی! خاموش ہو جائیں۔آپ کے سوال سن سن کر میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔قریب کھڑے ہوئے کنڈیکٹر کو اچانک نہ جانے کیا سوجھی اس نے ہاتھ مار کر سگریٹ جھپٹ لی اور جوتی کے نیچے مسل کر بجھا دی۔ غصے سے لڑکے کا سانس پھولنے لگا یوں محسوس ہو رہا تھا کہ شاید وہ ابھی کنڈیکٹر پر جھپٹ پڑے گا۔اس کی انگلیاں تیزی سے حرکت کرنے لگیں وہ موبائل پر کوئی نمبر ملا رہا تھا۔اب وہ کسی سے بات کر رہا تھا یا بات کرنے کی ایکٹنگ (Acting) کر رہا تھا۔وہ کسی سے کہہ رہا تھا کہ جلدی سے موٹروے کے قریب پہنچو۔ میرے ساتھ بس میں پھڈا ہو گیا ہے۔کنڈیکٹر کہنے لگا: تو گھر سے بھاگ کر آ رہا ہے۔آگے پولیس چوکی ہے میں تجھے پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔ کچھ سواریاں بھی کنڈیکٹر کی تائید کرنے لگیں۔ وہ لڑکا اب سہما سہما سا نظر آنے لگا۔ کنڈیکٹر بھی اسے کمزور سمجھتے ہوئے شیر ہو گیا اور اسے ایک تھپڑ رسید کر دیا۔بچے کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ماحول کو اپنے لئے ناساز گار دیکھتے ہوئے وہ منت سماجت پر اُتر آیا۔وہ کہنے لگا کہ بُرے دوستوں کی صحبت نے مجھے بگاڑ دیا ہے۔میں گھر سے رقم لے کر بھاگ آیا ہوں۔ مجھے کچھ نہ کہو۔آئندہ میں ایسی حرکت نہیں کروں گا۔موٹروے سے پہلے ایک اسٹاپ پر بس رکی۔کنڈیکٹر پچھلے دروازے کی طرف گیا ہوا تھا۔بس کے آگے فیصل آباد جانے والی وین کھڑی ہوئی تھی۔لڑکے نے موقع غنیمت جانا۔ چپکے سے بیگ اٹھا کر آناً فاناً بس سے اتر کر وین پر جا بیٹھا اس کے بیٹھتے ہی وین روانہ ہو گئی۔ یہ سب کچھ چشم زدن میں ہوا۔جاتے جاتے سگریٹ کی ڈبیا وہ سیٹ پر ہی بھول گیا۔ کچھ سواریوں نے توجہ کی انہیں اس تماشے میں مزا آ رہا تھا۔وہ کنڈیکٹر سے کہنے لگیں: اس کا پیچھا کرو۔کنڈیکٹر نے سگریٹ کی ڈبیا اٹھائی ایک سگریٹ نکالی اور جیب سے لائٹر نکال کر سگریٹ سلگائی اور کہنے لگا: ہم تو سگریٹ پیتے ہیں۔ہمیں پرائی آگ میں کودنے کی کیا ضرورت ہے۔شاید سگریٹ ملنے کی خوشی میں وہ بھول گیا تھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے وہ بھی تو اسی آگ میں کودنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آج کل ہر کوئی اپنی ہی دنیا میں مگن نظر آتا ہے۔ مگر میرے ذہن سے وہ کم سن بچہ نہیں نکل رہا تھا۔جس ہاتھ میں قلم ہونا تھا۔اس ہاتھ میں سگریٹ سلگتا ہوا نظر آ رہا تھا۔اس نے تو اپنے مستقبل کو بھی لائٹر کی زد میں رکھ دیا تھا۔جن کانوں میں حکمت کی آوازیں گونجنا چاہیے تھیں۔وہ کان گانے کے نشے میں کوئی بات سننے کے روادار ہی نہ تھے۔جس منہ سے علم و حکمت کے جواہر پارے نکلنے چاہیے تھے۔اس منہ سے تو سگریٹ کا دھواں اٹھتا ہوا نظر آ رہا تھا جس نونہال نے کسی درسگاہ کی زینت بننا تھا۔اساتذہ سے قیمتی علمی موتی حاصل کر کے علوم و فنون کے میدان کا شاہسوار بننا تھا۔والدین کی امیدوں پر پورا اترنا تھا۔ملک و ملت کا نام روشن کرنا تھا۔آج وہ ایک معمولی کنڈیکٹر کے تھپڑوں کی زد میں تھا۔یہ صحبت بد کا نتیجہ تھا۔جس کے اثر بد نے کسی والدین کے نور نظر کو لوگوں کے سامنے تماشا بنا کر رکھ دیا تھا۔

کیا ہر بچہ شکم مادر سے انہی عادات وخصائل سے موصوف ہو کر آتا ہے؟ کیا یہ عادتیں اس کی جبلی فطرت اور طبیعت کا لازمہ ہوا کرتی ہیں؟ نہیں نہیں۔ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرمایا:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْيُنَصِّرَانِهٖ

اَوْيُمَجِّسَانِهٖ كَمَثَلِ الْبَهِيْمَةِ تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةَ هَلْ تَرٰى فِيْهَا جَدْعَآءَ۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث:1385)

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پس اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے چار پایے سے چار پایہ پیدا ہوتا ہے۔ کیا وہ تمہیں کن کٹا ہوا نظر آتا ہے؟'' چوپائے کا بچہ فطری طور پر کن کٹا نہیں ہوتا۔ بعد میں اسے کن کٹا بنا دیا جاتا ہے۔ بچے بھی قدرت کے عطا کردہ حسین پھول ہوتے ہیں۔ جن سے گلستانِ عالم مہک اٹھتا ہے۔ جس گھر میں بچے ہوں وہاں بڑوں کے لبوں پر بھی مسکراہٹوں کی بہاریں نظر آتی ہیں۔ ان بچوں کے مستقبل کا مدار ان کی تربیت پر ہوتا ہے۔ انہیں کیسا ماحول میسر آتا ہے۔ ان کی سوسائٹی (Society) کیسی ہے۔ ماں باپ انہیں کیسی کمپنی (Company) فراہم کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں اس کے مستقبل کی زندگی میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔

وہ بھی عظیم مائیں تھیں جن کی گود میں پلنے والے عظیم بچے کبھی کربلا کے میدان میں استقامت کے بے مثل نقوش ثبت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کبھی ولایت کے آسمان پر چمکتے ہوئے آفتاب و ماہتاب کی طرح جلوہ گر ہوتے ہیں۔ کبھی فقاہت کی روشنیاں بکھیرتے ہوئے نظر آتے ہیں، کبھی علم وحکمت کے اجالوں سے یورپ کے دانشوروں کی آنکھوں کو خیرہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن جب والدین کی غفلت کے نتیجے میں قوم کے ان نونہالوں کو غلط سوسائٹی مل جائے تو پھر مسکراہٹیں بکھیرنے والے یہی بچے آگے جا کر مسکراہٹیں چھیننے کا کاروبار شروع کر دیتے ہیں۔ اپنی ماؤں کے نورِ نظر دوسری ماؤں کی آنکھوں کے سامنے ان کے چراغ گل کرنے کو کھیل سمجھنے لگتے ہیں۔ جنہوں نے عزتوں اور عصمتوں کا محافظ بننا ہوتا ہے جو قوم کی امیدوں کا مرکز ہوتے ہیں۔ وہ امیدوں پر پانی پھیرتے ہوئے عزتوں کے بیوپاری اور عصمتوں کے لٹیرے بن جاتے ہیں۔

گرد وپیش کے ماحول پر نظر دوڑائی جائے تو بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ گلیوں، بازاروں کا ماحول، گاؤں اور دیہاتوں میں بنے ہوئے تھڑوں کا ماحول، شہروں میں پارکوں اور سیر گاہوں کا ماحول کسی جگہ بھی نظر ڈالیں۔ وہاں شرم وحیا کی خوشبوئیں محسوس نہ ہوں گی بلکہ وہاں سے بے شرمی اور بے حیائی کا تعفن اٹھتا ہوا دکھائی دے گا۔ بدتمیزی اور بے راہ روی کے بھیانک عفریت منہ کھولے ہوئے بچوں کیا بڑوں کے اخلاق وکردار کو نگلنے کے لئے تیار نظر آئیں گے۔ گھروں میں ٹی وی اور کیبل پر چلنے والے حیا سوز پروگرام معاشرے کو تباہی کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ والدین اپنے بچوں کو گھروں میں بند کر کے خوش نظر آتے ہیں کہ ہم نے ان کی تربیت کے لئے محفوظ حصار قائم کر دیا ہے۔ ماحول کی آلودگی سے یہ محفوظ رہیں گے مگر گھروں میں وہی بیٹے اور بیٹیاں انٹرنیٹ کی دنیا میں نہ جانے کس

اندھیر نگری میں جا پہنچتے ہیں۔ بچوں پر کڑی نظر رکھنے والے والدین کو پتہ بھی نہیں چلتا جب ان کے قریب بستروں میں لیٹے ہوئے بچے انگلی کی معمولی سی حرکت کے ساتھ بلکہ موبائل کی اسکرین کو ٹچ کرنے سے ہی وہ پوری دنیا کے ساتھ رابطے میں آ جاتے ہیں۔ وہ ایسی دنیا کی سیر میں مگن ہو جاتے ہیں جہاں عزتوں کی دھجیاں بکھر جاتی ہیں۔ شرم وحیاء کے پیمانے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور ماں باپ کے سامنے معصوم صورت نظر آنے والے بیٹے اور بیٹیاں اخلاق کی تمام حدود کو پامال کرتے ہوئے خود کو عقل کل محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔

والدین اپنی اولاد کے بہتر مستقبل کے لئے اپنے گھروں میں ان کی تربیت کے ساتھ ساتھ درسگاہوں میں ان کی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں۔

آج ہمارے ہاں نظام تعلیم دو حصوں میں بٹ چکا ہے ''دینی و دنیاوی تعلیم'' دینی درسگاہیں ہوں یا اسکولز اور کالجز اور یونیورسٹیوں کی دنیا ہو ہر جگہ ماحول اثر انداز ہوتا ہے۔ صحبتیں اپنا رنگ لاتیں ہیں۔ کچھ والدین کی نگاہ میں بڑی بڑی ڈگریاں اور بڑے بڑے عہدے ہی کامیابی کی ضمانت ہوتے ہیں اور وہ اپنی اولاد کی تعلیم کا ایسا انتظام کرتے ہیں کہ ان کے بچے اعلیٰ ڈگریاں ضرور حاصل کر لیتے ہیں۔ انگریزی لب ولہجے میں فرفر انگلش بولنا ان کے لئے معمولی بات ہوتی ہے۔ وہ بڑے بڑے انجینئرز اور آفیسرز بن جاتے ہیں۔ مگر دین ان کے لئے اجنبی ہو جاتا ہے۔ اپنے دین کی بنیادی باتوں سے وہ اس قدر بے بہرہ ہوتے ہیں کہ اگر کہیں انہیں ''قل ھو اللہ احد'' کی تلاوت کرنا پڑ جائے تو وہ پوری دنیا کے لئے تماشا بن جاتے ہیں۔ کیا صف محشر میں ان والدین سے باز پرس نہ ہوگی جنہوں نے اپنی اولاد کو اتنی تربیت بھی نہ دی کہ ان کے مرنے پر صحیح طریقہ سے نماز جنازہ ہی ادا کر سکیں۔ ہمارے کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر مقام پر یاد رکھا اور یاد رکھے ہوئے ہیں اور یاد رکھیں گے تو کیا ہمارا یہ فرض نہ بنتا تھا کہ ہم اپنی اولاد کی تربیت اس انداز سے کرتے کہ وہ چاہے کتنے بڑے دنیاوی عہدے پر فائز ہو جائیں مگر ان کی گفتار و کردار سے ایک مسلمان کی شان کا اظہار ہو۔

دوسری طرف نظر دوڑائیں تو اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے والے والدین بھی شاید یہ اصول پیش نظر نہیں رکھتے کہ

اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث:26)

''یہ علم دین ہے پس تم دیکھ لیا کرو کہ اپنا دین کن لوگوں سے حاصل کر رہے ہو۔'' علم دین حاصل کرنے کا مقصد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت والا تعلق قوی تر ہو جائے۔ دین کی تعلیمات ہمارے قلب و روح میں سرایت کر جائیں۔ لیکن اگر ہم نے یہ سوچ لیا کہ قرآن کی تعلیم ہی حاصل کرنی ہے چاہے جہاں سے حاصل ہو جائے اور پھر ہم نے اپنے بچوں کے لئے ایسی درسگاہوں کا انتخاب کر لیا۔ جہاں سے تعلیم حاصل کر کے ان طالبان نے محراب ومنبر کا تقدس پائمال کرنا شروع کر دیا۔ قرآن وحدیث پڑھ کر صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت پر حرف گیری شروع کر دی تو پھر یہ تعلیم نہیں، تخریب ہوگی۔ ہمارے اسلاف تو قرآن وحدیث کی تعلیم صرف ان سے حاصل کرتے تھے جن کا صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت والا تعلق مضبوط ہوتا تھا۔ معروف تابعی محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پہلے لوگ سند حدیث کی تحقیق نہیں کرتے تھے لیکن جب فتنوں کا دور شروع ہوا تو لوگ سند حدیث کی تحقیق

کرنے لگے اگر حدیث بیان کرنے والے اہل سنت ہوتے تو ان سے حدیث حاصل کر لیتے اور اگر وہ اہل بدعت ہوتے تو ان سے حدیث حاصل نہ کرتے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 27)

آج ہمارے عوام اس سنہری ضابطے کو فراموش کر کے اپنے بچوں کو تعلیم قرآن کے نام پر ایسی صحبت فراہم کر رہے ہیں جو ان کے دین کے لئے، ایمان کے لئے اور ملک وملت کے لئے زہر قاتل ہے۔

کیا آج وطن عزیز پاکستان کی سالمیت کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ''طالبان'' وہ انہی صحبتوں کا نتیجہ نہیں؟۔ یہ طالبان انہی درسگاہوں سے سبق لے کر نہیں آئے جہاں قرآن وسنت کے نام پر دہشت گردی کا سبق دیا جاتا ہے؟ جہاں مسلمانوں کو مشرک قرار دے کر ان کے قتل عام کو ثواب قرار دیا جاتا ہے؟ دین تو یہ تعلیم دیتا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں مگر یہ کیسے مسلمان ہیں جن کے ہاتھوں سے نہ مسلمان بچے محفوظ ہیں، نہ عورتیں محفوظ ہیں، نہ علماء ومشائخ محفوظ ہیں اور نہ ہی ملک کا دفاع کرنے والے فوجی جوان محفوظ ہیں اور پھر ان سب حرکات کو اسلام کا نام دیا جاتا ہے۔ یاد رکھ لیں۔ ہوش سے کام لیں، آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹا کر دیکھیں اگر ہمارا یہی طریقہ رہا۔ ہم اپنے بچوں کو اسلام کا لبادہ اوڑھنے والے ان نقاب پوشوں کی صحبتوں کے حوالے کرتے رہے پھر وہ دن دور نہیں جب ہماری نسل ہی ہمارے دین، ایمان، نظریات، عقائد اور تہذیب وثقافت پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوگی۔ جن نونہالوں نے ملک وملت کا محافظ بننا تھا وہ لٹیرے بن جائیں گے۔ اگر ہم نے اپنی دینی اقدار کی حفاظت کرنا ہے، اپنی تہذیب وثقافت، اپنے دینی افکار ونظریات، اپنے دینی شعائر کی حفاظت کرنا ہے۔ اپنے ملک کو بچانا ہے، اپنے اسلاف کی دی ہوئی قربانیوں کی لاج رکھنی ہے تو ہمیں خود کو، اپنی اولاد کو، ماحول کی آلودگی سے بچانا ہوگا، کڑی نگرانی کرنا ہوگی۔ ورنہ فتنوں کے ماحول کا یہ اژدھا ہمیں ڈس لے گا۔ پھر ہماری نسل بھی بھگوڑے بچوں کی طرف مارے مارے پھر رہی ہوگی، ان کی زندگی کی ناؤ حوادثات زمانہ کے تھپیڑوں کی زد میں ہوگی اور کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا۔

انشاء اللہ العزیز اگلے شمارے میں پھر آپ سے باتیں ہوں گی۔ محبتوں، جذبوں، الفتوں، شکائتوں کے اسی چوراہے پر، آہ وفغاں کے اسی شور میں۔

فقط والسلام مع الاکرام

آپ کی آراء، مشوروں، کرم فرمائیوں کا منتظر

ابوالحسنین رضوی

7 رجب المرجب ۱۴۳۵ھ/ 7 مئی ۲۰۱۴ء

بروز بدھ گیارہ بجے دن